﴾وسیلہ اور ردِ شبہات﴿

اسلام وعلیکم جناب محمد شاکر صاحب!

آپ نے میری پوسٹ جو کہ میں نے وسیلہ کے موضوع پر بطورِ جواز پیش کی تھی کا رد کیا ہے اور آپ نے بطور دلیل چند دلائل یہاں نقل کیے ہیں ۔اور باقی دلائل کے لیے آپ نے اپنی پہلی پوسٹ پر انحصار کیا ہے۔اور ساتھ میں آپ کا یہ اصرار ہے کہ آپ کو بحث پسند نہیں اور آپ متعصب آدمی نہیں ہیں ۔ بلکہ آپ کی مراد اس قسم کی پوسٹوں سے اصلاح ہوتی ہے۔اور ساتھ ہی آپ نے مجھ سے قرآن اور سنت سے دلائل مانگے ہیں ۔میری اُس پوسٹ کے حق میں جو میں نے پہلے ہی قرآن اور سنت کے حوالہ جات سے مزّین کر کے لگائی تھی ۔خیر میں آپ کی بات کا احترام کرتے ہوئے کچھ مزید دلائل عرض کرتا ہوں اس امید کے ساتھ کہ اگر آپ کا جذبہ اصلاح غالب رہا تو اس بار آپ ضرور مان جائے گے، کیونکہ بقول آپ کے آپ نے خود لکھا ہے کہ میں ایک بھی صحیح روایت پیش کر دوں تو آپ کو قبول کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔

تو سب سے پہلے اُن دلائل کی طرف آتے ہیں جو آپ نے میری پوسٹ کی تردید میں لگائے ہیں ۔سب سے پہلے آپ نے میری پوسٹ میں پیش کردہ سورۃ بقرہ کی آیت 248 کی نمبر کی تصحیح کی ہے جس کے لئے میں آپ کا شکرگزار ہوں ۔ یہ واقعی پرنٹنگ کی غلطی تھی جس کے قبول کرنے میں مجھے کوئی تامل نہیں ۔

اب آتے ہیں اس آیت کو تفسیر کی طرف جو آپ نے کی ہے بغیر کسی تفسیری حوالہ کے، آپ نے کہا ہے کہ اس آیت سے وسیلہ کا مفہوم نہیں نکلتا کیونکہ نہ تو آیت کے ترجمے میں وسیلہ کا لفظ موجود ہے اور نہ ہی عربی عبارت میں ۔حیرت ہے کہ آپ کے نزدیک وسیلہ کے مفہوم کے لئے وسیلہ کا لفظ ہونا ضروری ہے یعنی اس آیت میں صریحاً لفظ وسیلہ ہوتا تو آپ ضرور مان جاتے یہ تو وہی بات ہوئی جیسے کوئی ایک عام متقی مسلمان یہ کہے کہ میں جنت میں ہرگز نہ جاؤ نگا کیونکہ قرآن میں کہیں بھی میرا نام لیکر مجھے جنتی نہیں کہا گیا۔میرے بھائی اس آیت میں تابوت کے ذریعے (یعنی وسیلے) سے سکینہ حاصل کرنے کا ذکر ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل سے فرمارہا ہے کہ میں نے اس تابوت میں تمھارے لئے سکون رکھ دیا ہے اب دیکھیے سکون دیا اللہ تعالیٰ نے ہی ہے مگر دیا اس تابوت کے ذریعے (یعنی وسیلے) سے یہ ہے اگر تابوت بنی اسرائیل کے پاس ہوگا تو تب انھیں سکون حاصل ہوگا ۔اب بتایئے وہ تابوت سکون حاصل کرنے کا وسیلہ بنا کہ نہیں؟ دوسری بات تو آپ نے یہاں یہ تو تسلیم کرلیا ہے یہاں تبرّک حاصل کرنے کا ذکر ہے مگر وسیلے کا نہیں آپ نے وسیلہ اور تبرّک میں فرق لکھا ہے میں آپ کی عبارت In brackets نقل کررہا ہوں (تبرّک کا مطلب برکت حاصل کرنا ہے ....لیکن وسیلے کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کسی کی ذات کو وسیلہ بنا کر دعا کی جائے)یعنی آپ وسیلہ مانتے ہی اسے ہیں جس میں کسی <u>ذات</u> کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بطورِ وسیلہ پیش کیا جائے ۔اب آپ نے جو یہاں وسیلے کی تعریف فرمائی ہے اس کی رو سے آپکی اپنی ہی پوسٹ کا رد ہو جاتا ہے ۔اسے کہتے ہیں کہ!

؎ آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

آپ نے خود وسیلہ کی تعریف کرتے ہوئے یہ بات تسلیم کی ہے کہ وسیلہ کہتے ہی اُسے ہیں جس میں خدائے بزرگ و برتر کہ ہاں کسی کی ذات کو بطورِ وسیلہ پیش کیا جائے۔ جب آپ یہاں وسیلے کی تعریف میں صرف لفظ زات کا استعمال فرم رہے ہیں تو پھر آپ اعمال کے وسیلے کیلیئے کونسی دلیل دیں گے؟ درحقیقت آپ وسیلے کا مفہوم سمجھے ہی نہیں اس لیے آپ کو یہ مشکل پیش آرہی ہے۔ ہم انشاءاللہ وسیلے کا مدہوم اس پوسٹ کے آخر میں ضرور واضح کریں گے سرِ دست پہلے آپ کہ پیش کردہ دلائل کا تحقیقی جائزہ تو لے لیں۔ ہاں تو آپ نے یہاں تبرّک کا حصول تسلیم کرلیا ہے تو میرے بھائی سیدھی سی بات ہے جس چیز کے زریعے (یعنی وسیلے) سے تبرّک حاصل کیا جاتا ہے اُسے ہی تو وسیلہ کہتے ہیں آپ نے خود حصولِ برکت والی آحادیث کو صحیح تسلیم کیا ہے تو جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے موئے مبارکہ سے برکت حاصل کی تو بات کتنی واضح ہوگئی کہ برکت کے حصول کے لیے نبی ﷺ کے موئے مبارکہ وسیلہ بنے۔ اب موئے مبارکہ تو آپکی زات کا ایک چھوٹا سا جزء ہیں پوری زات کی کیا شان ہوگی۔ اس موقع پر مجھے کسی عاشق صادق کا یہ شعر یاد آ گیا آپ کے ذوق کی نذر کرتا ہوں!

چاہیں تو اشاروں سے اپنے کایا ہی پلٹ دیں دنیا کی
یہ شان ہے خدمت گاروں کی سردار کا عالم کیا ہوگا

پیارے بھائی برکت دی اللہ نے حاصل کی صحابہ نے زریعہ یا وسیلہ بنی ذاتِ مصطفیٰ ﷺ بلکہ پوری ذات بھی نہیں مگر آپ کی ذات کا ایک چھوٹا سا جزء۔ اُمید ہے بات سمجھ میں آ گئی ہوگی۔ اب آتے ہیں دوسری آیت کی طرف جس کو اپ نے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ میں نے وہ آیت پوری نہیں لکھی اگر پوری لکھتا تو وسیلہ کا مفہوم خود بخود ختم ہو جاتا۔ اب آیئے دیکھتے ہیں آپ نے وہ آیت پوری لکھ کر کیا تیر مار لیا ہے اب میں آپ کا ترجمہ یہاں نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جو آپنے اُس آیت کا فرمایا ہے (اور اُن کے پاس جب اللہ تعالیٰ کی کتاب اُن کی کتاب کو سچا کرنے والی آئی، حالانکہ پہلے یہ خود (اُس کے زریعے) کافروں پر فتح چاہتے تھے تو باوجود آجانے اور پہچان لینے کے پھر کفر کرنے لگے، اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کافروں پر۔ (۸۹)

ہاں تو بتایئے یہاں آپ کیسے وسیلے کی نفی فرما رہے ہیں آیت میں آپ نے خود لفظ ذریعہ اِن بریکٹس استعمال کیا ہے اور اُوپر سے ہمیں صریح علمی بد دیانتی کا مرتکب ٹھرایا ہے۔ کیا آپ کا مبلغِ علمی اسی قدر ہے کہ آپ اُردو ادب میں استعمال ہونے والے دو ہم معنیٰ الفاظ (یعنی زریعہ یا وسیلہ) میں سے ایک کو نقل کر کے دوسرے کی نفی فرما رہے ہیں؟ کیا میں آپ سے اِتنا پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں کہ آپ نے جو اس آیتِ مقدسہ کی تشریح فرمائی ہے اُس میں نبی کا ذکر کہاں سے آ گیا حالانکہ آیت میں تو آپ کے اُصول کے مطابق لفظِ نبی یا رسول ہے ہی نہیں؟ اب کیا میں آپ کو بھی آپ کے اپنے اصول کہ مطابق صریح علمی بد دیانتی کا سزاوار ٹھرا سکتا ہوں؟ باقی رہی بات ہماری علمی بد دیانتی کی تو ہم تو صرف ناقل ہیں کیونکہ ہم نے تفسیری حوالہ جات نقل کر دیے تھے وہاں اب آپ کے اس فتویٰ کی زد کن کن جید علماء پر پڑتی ہے یہ آپ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں سرِ دست میں صرف دو حوالہ جات نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں تفسیرِ قرطبی اور تفسیرِ روح المعانی میں اِس زیرِ بحث آیت کے تحت یہودیوں کی مندرجہ ذیل دعا منقول ہے

(اے اللہ ہم تجھے تیرے اُس نبی ﷺ کا واسطہ دیکر عرض کرتے ہیں جس کی بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے ہمیں آج اپنے دشمنوں پر فتح دے)

اب یہاں بھی خدا را لفظ وسیلے کا مطالبہ نہ کر دینا کہ دعا میں تو لفظِ وسیلہ آیا ہی نہیں؟ تو پھر ہم نے کہاں سے وسیلے کا مفہوم لے لیا .....میرے بھائی واسطہ اور وسیلہ مشترک ہیں معنیٰ میں ۔اس کے علاوہ بھی آیت کے سیاق وسباق سے صاف پتا چلتا ہے کہ یہودی بعثتِ محمدی ﷺ کے وسیلہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور اپنے دشمنوں پر فتح یاب ہوتے تھے تو جس نبی ﷺ کی بعثت کی اتنی برکت ہے کہ اُس کت مبعوث ہونے سے پہلے اللہ جو علیمِ بذاتِ الصدور ہے وہ اُن یہودیوں کو بھی انکے دشمنوں پر فتح یاب فرماتا رہا ہے حالانکہ وہ اس راز سے اچھی طرح واقف تھا کہ یہ بد بخت میرے نبی ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد کے بعد اُس سے منکر ہو جائیں گے ۔ اسی لیے اللہ نے اُن یہودیوں پر لعنت فرمائی کی جس کا نام لے کر جنگوں میں فتح حاصل کرتے رہے ہو جب وہ جانا پہچانا آ گیا ہے تو اب ماننے سے انکاری ہو۔اب آتے ہیں تیسری آیت کی طرف جو وسیلے کے مفہوم میں بڑی واضح ہے اس میں آپ نے بھی وسیلے کا مفہوم مانا ہے مگر اپنی خود ساختہ تقسیم کی بنیاد پر اُسے زندہ اور مردہ کی قید سے الحاق کیا ہے اب یہ دیکھتے ہیں کہ دیگر مفسرین بھی آپ کی اس قید میں آپ کا ساتھ کہاں تک دیتے ہیں؟ یہ ہیں حافظ عماد الدین ابن کثیر متوفی ۷۷۴ ہجری وہ اپنی مشہور زمانہ تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کے زیرِ بحث لکھتے ہیں ''مفسرین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے جن میں شیخ ابو منصور الصباغ ہیں انہوں نے اپنی کتاب الشامل میں عتبی میں مشہورِ زمانہ حکایت نقل کی ہے کہ میں نبی ﷺ کی قبر مبارک پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی نے آ کر کہا السلام علیک یارسول اللہ ۔میں نے اللہ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ ''ولو انھم ۔۔۔۔۔اور میں آپ ﷺ کے پاس آ گیا ہوں اور میں اپنے رب کی بارگاہ میں آپ ﷺ سے شفاعت کا طلب کرنے والا ہوں ۔پھر وہ اعرابی چلا گیا۔عتبی بیان کرتے ہیں مجھے نیند آ گئی اور میں نے خواب میں آپ ﷺ کی زیارت کی آپ ﷺ نے فرمایا ''اے عتبی !اس اعرابی کے پاس جا کر اُس کو خوشخبری دے دو کہ اللہ نے اس کی مغفرت کر دی ہے ۔

(تفسر ابن کثیر ج 2 ص 338,39 الجامع الاحکام ج 5 ص 265 البحر المحیط ج 3 ص 694 تسفیر مدارک التنزیل علی ہامش الحازن ج 1 ص 399)

مفتی محمد شفیع دیوبندی مفتی اعظم پاکستان اپنی تفسیر معارف القرآن میں اس آیت کی تفسیر کے ماتحت لکھتے ہیں کہ یہ آیت اگر چہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی مگر اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا ہے کہ جو شخص بھی آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے اور آپ ﷺ اس کے لیے دعائے مغفرت فرما دیں تو اس کی بخشش ضرور ہو جائے گی اور آپ کی خدمت میں حاضری جس طرح دُنیاوی حیات میں ہو سکتی تھی اسی طرح روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے اس کے بعد مفتی صاحب نے بھی عتبی کی مذکورہ بالا حکایت نقل کی ہے ۔(معارف القرآن جلد 2 ص 460 مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)معروف دیوبندی شیخ سرفراز گھکھڑوی لکھتے ہیں کی عتبی کی حکایت مشہور ہے اور تمام مذاہب کے مصنفین نے مناسک کی کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے اور سب نے اس کو مستحسن قرار دیا

ہے۔اسی طرح دیگر متعدد علمائے کرام نے قدیماً وحدیثاً اس کو نقل کیا ہے۔حضرت تھانوی لکھتے ہیں مواہب میں بسند حضرت منصور الصباغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی رحم اللہ نے محمد بن حرب ہلالی سے یہی حکایت نقل کی ہے۔محمد بن حرب ہلالی کا انتقال 228 ہجری یعنی خیر القرون میں ہوا اور کسی سے اُس وقت تک نکیر منقول نہیں پس حجت ہو گیا (نشر الطیب ص 254) اور حضرت نانوتوی یہی آیت لکھ کر فرماتے ہیں کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ ﷺ کے ہم عصر امتی ہوں یا بعد کے اُمتی ہوں۔اور تخصیص ہو تو بھی کیونکر ہو کہ آپ ﷺ کا وجود مسعود یکساں رحمت ہے۔اور پچھلے اُمتیوں کا آپ ﷺ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ آپ ﷺ قبر میں زندہ ہوں۔نوٹ (اس تفسیر میں اُنہوں نے دونوں باتیں واضح کر دیں وسیلہ بھی اور آپکی بعد از وفات حیات بھی) (آب حیات ص 40) شیخ ظفر احمد دیوبندی عثمانی یہ آیت لکھ کر سابقہ واقعہ نبی بیان کرتے ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی شامل ہے اور باقی ہے۔(اعلاء السنن ج 2 ص 230) ان اکابر کے بیانات سے معلوم ہوا کہ قبر پر حاضر ہو کر شفاعت اور مغفرت کی دُعا کرنا قرآن کی آیت کی عموم سے ثابت ہے بلکہ امام سبکیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس معنی میں صریح ہے (شفاء السقام ص 128) اور خیر القرون میں یہ کاروائی ہوئی کسی نے اس کا انکار نہیں کیا جو اس کے صحیح ہونے کی واضح دلیل ہے (تسکین الصدور ص 366,365 از شیخ سرفراز گھکھڑوی) ان تمام حوالہ جات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کے جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت کے عموم سے آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری اور استغفار کا طلب کرنا نہ صرف قیامت تک کے مسلمین جائز و روا ہے بلکہ مستحسن ہے۔اور دوسری طرف آپ ہیں جنھوں نہ صرف وسیلے کا انکار کیا بلکہ آپ ﷺ کی حیات بعد از وفات جو کہ متفق علیہ مسلہ ہے تقریباً تمام مکاتبِ فکر کے نزدیک اُس کا بھی انکار کر دیا (معاذ اللہ) حالانکہ قرآن و سنت کی رو سے حیاتِ برزخی تو تمام انسانوں کو، اور بلخصوص عامتہ المسلمین کو بھی حاصل ہے اور پھر درجہ بدرجہ صلحاء، اولیاء اور شہداء کو بھی حاصل ہے جس پر نصِ قرآنی بھی شاہد ہے۔عجیب بات ہے کہ جس نبی ﷺ کا کلمہ پڑھنے والا ایک عام سا انسان اگر وہ میدانِ جنگ میں قتل ہو جائے تو اُسے تو حیاتِ جاوداں حاصل ہو مگر خود نبی ﷺ مردہ تصور کیے جائیں (معاذ اللہ ثمہ معاذ اللہ) خیر یہ تو ضمناً بات آ گئی تھی اب آتے ہیں آپکی احادیث پر جرح کی طرف، آپ نے حضرت آدم والی حدیث کو موضوع یعنی گھڑی ہوئی قرار دیا ہے اور دلیل کے طور پر اس حدیث کے ایک راوی یعنی عبداللہ بن زید اسلمی پر جرح مبہم نقل فرمائی ہے اور دوسرے راوی کو آپ نے ابنِ حجر اور ابنِ حبان کے حوالہ سے وضاع قرار دیا ہے مگر ان کی جرح کا حوالہ نہیں دیا آپ نے افسوس کے آپ علمِ حدیث کے اس بنیادی اُصول سے بھی نہیں واقف کے اگر کسی حدیث کے کسی راوی پر اگر جرح ثابت ہو بھی جائے تو زیادہ سے زیادہ اُس حدیث کی سند میں ضعف ثابت ہو گا نہ کی وہ حدیث موضوع قرار پائے گی عندالمحدثین۔بحرحال اِس حدیث کے دونوں راویوں پر آپ کو جرح مفسر ثابت کرنی ہو گئی اور وہ بھی با حوالہ۔اب آتے ہیں اس طرف کے دیگر محدثین اس حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔اس حدیث کو امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ اور امام طبرانی نے بھی اپنی سند کے ساتھ جس میں مذکورہ بالا دونوں راوی موجود ہیں نقل کیا ہے۔اور شیخ ابنِ تیمیہ ان دونوں روایتوں کو آحادیث صحیحہ کی تفسیر کے درجے میں شمار کیا ہے اور آپ پر اور آپ کے دیگر متبعین پر شیخ ابن تیمیہ کی گواہی حجت ہے کیونکہ ایک

تو وہ مخالفین مسلہ ھذا کے مسلّم پیشوا ہیں اور دوسرے انکی بھی رائے اس مسئلہ میں وہی ہے جو دیگر مخالفین کی ہے ۔(مجموع الفتاوٰی ج ۲ص ۹۶)اس کے علاوہ وھابیوں کے دورِجدید کے محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی نے بھی اس حدیث کونقل کر کے اس پر کوئی جرح نہیں فرمائی ۔(توسل ص ۱۰۶ مکتبہ اسلامی بیروت)اس کے علاوہ امام جلال الدین سیوطی نے امام حاکم ،امام طبرانی ،امام ابونعیم اور امام ابنِ عساکر کے حوالجات سے اس روایت کو بیان فرمایا ہے علامہ قسطلانی نے بھی اس روایت کو امام حاکم سے روایت کیا ہے۔امام ذھبی نے ان دونوں حدیثوں کے راویوں کی صحت پر اختلاف کیا ہے مگر ابنِ تیمیہ کی تصحیح ان پر مقدم ہے ۔ان تمام محدثین کے حوالہ جا ت نقل کرنے کا مقصد یہ حقیقت واضح کرنا ہے کہ کس طرح ان تمام محدثین نے ان روایات کو اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور ان پر اعتماد کا اظہار کیا ہے ان تمام کے مقابلے میں آپ کی انفرادی رائے کوئی معنیٰ نہیں رکھتی ۔اب آتے ہیں دیگر روایات کی طرف جنکو آپ کے بپھرے ہوئے قلم نے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کے یہ تمام روایات تیسرے درجہ کی کُتب سے لی گئی ہیں ۔کیا آپ کے خیال میں تیسرے طبقے کی کتابوں میں کوئی ایک بھی روایت صحیح نہیں یا پھر آپ کے نزدیک روایات کو جانچنے کے لئے علمِ حدیث میں صرف یہی اصول ہے کہ ان کو دیکھو کہ وہ حدیث کی کونسی کتابوں میں آئیں ہیں ۔نہیں نہیں !میرے بھائی حدیث کی صحت کا میعار اس کی سند ہوتی ہیں اور اگر سند صحیح ہو تو وہ حدیث تیسرا طبقہ تو درکنار چوتھے طبقے سے بھی ہو تب بھی حُجت ہو گی ۔اور اگر حدیث کو سند ضعیف ہے تو چاہے وہ بخاری اور مسلم میں ہی کیوں نہ ہو ضعیف ہی مانی جائے گی اور کتابوں کے طبقات کی تقسیم تو دراصل کتابوں میں درج احادیثِ صحیحہ کو تعداد کے لحاظ سے ہے چونکہ بخاری و مسلم میں حتی المقدور انسانی بساط کے مطابق احادیثِ صحیحہ لانے کی کوشش کی گئی ہے ۔لہٰذا انھیں اوّل درجہ دے دیا گیا ہے۔اب آیئے آج کے دور کے ایک غیر مقلد عالم کی تحقیق تیسرے درجہ کی کتابوں کے بارے میں دیکھتے ہیں ۔یہ میرے ہاتھ میں الفوزا کیڈمی کی شایع کردہ کتاب حدیث کی اہمیت اور ضرورت ہے اس کہ مصنف شیخ خلیل الرحمٰن چشتی ہیں ۔اور وہ اپنی اس کتاب میں صحت کے اعتبار سے کتب احادیث کے طبقات یوں بیان کرتے ہیں ''محدثینِ نے روایات کی صحت کی لحاظ سے تمام کُتبِ احادیث کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہے

پہلا طبقہ

بخاری و مسلم اور موطا امام مالک

دوسرا طبقہ

سنن نسائی ،سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی

تیسرا طبقہ سنن ابنِ ماجہ ،سنن دارمی ،مسند احمد ،صحیح ابنِ خزیمہ ،صحیح ابنِ حبان ،مستدرک للحاکم ،سنن بہقی ،سنن دارقطنی ،کتبِ طبرانی ،تصانیفِ طحاوی اور مسند شافعی

(مندرجہ بالا کتابوں میں کتابوں کی صحت کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں کہ ان میں ہر قسم کی روایات موجود ہیں صحیح اور ضعیف مگر قابلِ اعتبار روایات کا عنصر غالب ہے ۔اور ایک طرف آپ ہیں جن کے نزدیک بغیر کسی تحقیق کے ان کتابوں میں رطب و یابس اور ضعیف

روایات کے سوا کچھ نہیں ہے)۔(ص 130,131 حدیث کی اہمیت اور ضرورت ناشرہ الفوزا کیڈمی اسلام آباد) اب آپ پر ظاہر ہو گیا کہ میری پیش کردہ احادیث کا طبقہ ثالثہ قابلِ اعتماد روایات کے طبقات میں سے ہے اب آتے ہیں آپ کی اس Post کی جانب جو آپ نے شرعی وسیلہ اور بدعت وسیلہ کے زیرِ عنوان لگائی تھی سب سے پہلے آپ نے شرعی وسیلہ کے عنوان کے تحت جتنی بھی آیات ،احادیث اور دُعائیں نقل کی ہیں وہ ایک تو بغیر تفسیری حوالہ جات اور بغیر کسی محدث کی شرح کے نقل کیے ہیں یعنی اُن کو پڑھ کر آپ کی سمجھ میں جو مفہوم آیا ہے وہ آپ نے بلا جھجک نقل کر دیا ہے۔آپ نے آیات اور احادیث نقل کرے اپنی خود ساختہ تقسیم کے ذریعے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وسیلے کی دو قسمیں ہیں ایک نیک اعمال کا وسیلہ یا کسی نیک یا صالح شخص سے اُس کی حیات میں وسیلہ بذریعہ دعا ہے۔یہاں آپ نے حیات والی قید اضافی لگائی ہے جو کہ خود محتاجِ دلیل ہے اور محض ایجادِ بندہ کے سوا کچھ نہیں کیونکہ آپ کی پیش کردہ روایات میں سے ایسا کوئی مفہوم نہیں نکلتا۔خیر آپ نے جتنی بھی آیات، روایات پیش کی ان میں سے ایک بھی ہمارے معارض نہیں کیونکہ کسی بھی آیت اور حدیث میں ذات کے وسیلہ اور بعد از وفات وسیلہ پکڑنے کو منع نہیں کیا گیا۔اگر منع کیا گیا ہے تو ایک بھی آیت یا حدیث آپ نقل کریں جو منع کی دلیل ہو کیونکہ آپ وسیلہ کے باب میں اس خود ساختہ تقسیم کے مدعی ہیں لہٰذا آپ پر منع کی دلیل پیش کرنا قاعدہ اور قانون کی رو سے واجب ہے۔اور ویسے بھی فقہ کا مشہور قاعدہ ہے (الاشیاء فی الاصل اباحہ) لہٰذہ کسی بھی شے کو حرام قرار دینے کیلیئے آپکو منع کی دلیل دینا ضروری ہوگا۔اس کے علاوہ بھی آپ کی پیش کردہ روایات میں مطلق وسیلہ کی بات ہو رہی ہے اس کو صرف نیک اعمال اور حضور ﷺ کی ظاہری حیاتِ مبارکہ کے ساتھ خاص کرنا نہ صرف خود محتاجِ دلیل ہے بلکہ شریعت کو اپنے ہاتھ میں لیکر ایک نئی بدعتِ ضلالہ گھڑنے کے مترادف ہے۔کیونکہ قاعدہ ہے (المطلق یجری علیٰ اطلاقہ) مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے۔اگر آپکی خود ساختہ تقسیم کو مان بھی لیا جائے تو میرا یہ سوال ہوگا آپ پر کہ آپ جو اعمال کے وسیلہ کو برحق مانتے ہیں اور ذات کے وسیلہ کے انکاری ہیں کیا آپ اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ذات اصل ہے اور اعمال اسکے فروع یعنی اگر ذات ہی نہ ہوگئی تو اعمال کہاں سے آئیں گے۔یعنی جب ذاتِ صالح معدوم ہوگی تو عملِ صالح بھی کالعدم ہوگا۔اس لیے جو شخص بھی اپنے اعمال کو بطورِ وسیلہ بارگاہ ایزدی میں پیش کرے گا وہ اعمال کرنے والا وہ خود ہوگا یعنی اس کی ذات پہلے ہوگی عمل بعد میں ہوگا اگر ذات باقی تو خود اعمال بھی باقی اگر نیک آدمی ہی نہ ہوگا تو نیک عمل کہاں سے آئیں گے پتا یہ چلا کہ جسے نیک عمل کہتے ہیں وہ خود اپنے وجود کے ظہور کیلیئے ایک ذاتِ صالح کے وسیلہ کا محتاج ہے۔یعنی جسے ایمان کہا گیا ہے وہ خود محتاج ہے ایک ایمان دار شخصیت (ذات) کا جس سے اُس (یعنی ایمان) کا اظہار ہو۔اب اس کا کیا کیا جائے کہ آپ جس دلیل سے وسیلہ کا انکار کرنے چلے تھے اُس سے انکار تو درکنار رہا اُلٹا وسیلہ ذات ثابت ہو گیا اسے کہتے ہیں بقولِ شاعر

؎ عجب کچھ پھیر میں ہے سینے والا جیب و داماں کا
جو یہ ٹانکا تو اُدھڑا، جو وہ اُدھڑ اتو یہ ٹانکا

میرا دوسرا سوال آپ پر یہ ہے کہ! کیا آپ کو معلوم ہے کہ جو نیک اعمال آپ کرتے ہیں وہ عنداللہ مقبول بھی ہیں کہ نہیں یعنی آپ تو کیا

کوئی بھی صالح شخص یہ بات دعوٰی سے نہیں کہہ سکتا کہ اُس کے اعمال عنداللہ مقبول ہیں۔ جب اعمال کی یہ حالت ہے کہ اُن کے مقبول ہونے میں بھی شک ہو لیکن پھر بھی ان کو تو بطور وسیلہ جائز تسلیم کیا جائے مگر تعجب ہے کہ ذاتِ مصطفٰی ﷺ جن کہ عنداللہ مقبول ہونے میں ایک رتی بھر بھی تردد نہیں اگر کسی کو ہو تو خود صاحبِ ایمان نہیں ایسی ذاتِ بابرکات کو بارگاہِ ایزدی میں بطورِ وسیلہ پیش کرنا ناجائز ہو (ایں چہ بوالعجبی است) کسی عاشق صادق نے کیا خوب ترجمانی کی ہے کہ۔۔۔

شرک ٹھہرے جس میں تعظیمِ مصطفٰی ﷺ اُس برے مذہب پہ لعنت کیجئے۔

اب آخر میں انتہائی مختصر کرتے ہوئے چند صحیح روایات پیش کروں گا جن میں سب سے پہلے حضرت علیؓ والی روایت ہے جس کی آپ نے کسی ایک محدث کے حوالے سے تصحیح مانگی ہے تو لیجئے جواب حاضر ہے پہلے حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں (حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنتِ اسد کا انتقال ہو گیا آپ ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے انکی خدمات کو خوب سراہا جب فاطمہؓ کے لیے لحد تیار ہو گئی تو آپ ﷺ اُس میں پہلو کے بل لیٹ گئے اللہ کی حمد وثنا کے بعد عرض کی اے اللہ میری ماں فاطمہؓ بنت اسد کو بخش دے قبر میں منکر نکیر کے سوالات کے جوابات دینے کی توفیق عطا فرما اور قبر کشادہ فرما اپنے نبی محمد ﷺ کے وسیلہ سے اور جو انبیاء کرام مجھ سے پہلے گذرے ہیں اُن کے وسیلہ سے بیشک تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔) اس حدیث کو امام طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے۔ امام حاکم اور ابنِ حبان نے اس کے راویوں کی توثیق فرمائی ہے اس کے علاوہ دورِ جدید کے غیر مقلدین کے محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی نے بھی اس کو اپنی کتاب توسل میں نقل کیا اور کوئی جرح نہ فرمائی ہے۔ باقی رہی حدیث آدم والی روایت کی بات تو جس کو آپ نے موضوع کہا ہے بلا دلیل حالانکہ امام حاکم نے اس کی سند کی توثیق فرمائی ہے جب اتنا بڑا محدث خود اپنی بیان کردہ روایت کی تصحیح فرما دے تو پھر دیگر محدثین کی طرف التفات کرنا روا نہیں! کُجا کے آپ کی بات پر دھیان دیا جائے۔ اب آخر میں جلیل القدر محدث حافظ ابنِ ابی شیبہ کے بخاری جیسے محدث جن کے ادنٰی سے خوشہ چیں ہیں کی ایک روایت پیشِ خدمت ہے سند کے ساتھ: ہمیں ابو معاویہ نے حدیث بیان کی اعمش سے ابو صالح نے فرمایا کہ مالک الدار حضرت عمرؓ کے خازنِ طعام تھے، انھوں نے فرمایا: لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں قحط میں مبتلا ہو گئے تو ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنیؓ) نبی اکرم ﷺ کے روضہ انور پر حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپکی امت ہلاک ہوا چاہتی ہے، آپ اس کیلیئے بارش کی دعا فرمائیں، اس صحابی کو خواب میں کہا گیا کے عمرؓ کو جا کر سلام کہو اور انھیں بتاؤ کے تمہیں بارش عطا کی جائے گی اور یہ بھی کہو کہ (امورِ خلافت) میں بیدار مغزی سے کام لیں جب حضرت عمرؓ کو اطلاع دی گئی تو آپؓ رو پڑے اور عرض کیا کہ: اے میرے رب جہاں تک مجھ سے ہو سکتا ہے میں اس میں کوتاہی نہیں کرتا۔

(وروی ابنِ ابی شیبہ باسنادٍ صحیح ادارۃ القرآن کراچی ج ۱۲، ۳۰، ۳۱)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اور علامہ زرقانی شرح المواہب میں اس کی تصحیح فرمائی ہے اور علامہ احمد بن محمد قسطلانی نے بھی انھی الفاظ کے ساتھ اس کی تصحیح فرمائی ہے اس کے علاوہ ابنِ کثیر نے بھی اسکی تصحیح بیان کی ہے اور اس کے متابعات میں دیگر اسناد سے بھی روایات بیان فرمائیں ہیں۔ آپ چونکہ صلح جو آدمی ہیں بقول آپ کے اپنے !!! لہٰذا آپ کو اتنے ہی دلائل کافی ہونگے اور ویسے بھی آپ

کوتو بحث پسند ہی نہیں لہٰذا امیدِ واثق ہے آپ اپنے خیالات سے رجوع فرمالیں گے اگر وہ خیالات واقعی آپ کے ہوئے ۔یہ مختصر دلائل کافی اور شافی بھی ہونگے ورنہ منکرین کیلیئے تو دفتر کہ دفتر بیکار ہیں۔ فقط والسلام آپ کا خیر اندیش عابد عنائت